مجلس یادگارِ شیخ الاسلامؒ پاکستان، لاہور کے زیر اہتمام جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور میں منعقدہ پانچویں سالانہ سیمینار بیادامام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے موقع (12/نومبر 2016ء/بروز ہفتہ) پر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب نے شائع کیا

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی

رحمۃ اللہ علیہ

شخصیت و افکار

محمد ابوبکر شیخ

ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ "الجمعیۃ" راولپنڈی

شائع کردہ

شعبہ نشرواشاعت

جمعیۃ علماء اسلام پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی تاریخ پیدائش 17/مارچ 1872ء، مقام پیدائش چیانوالی تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ہے۔ دادا ہندو تھے، باپ نے سکھ مذہب اختیار کیا ان کا نام رام سنگھ تھا۔ قبول اسلام سے قبل حضرت سندھیؒ کا نام بوٹا سنگھ تھا۔ خاندانی پیشہ زرگری تھا، ننھیال جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں تھے۔ پیدائش سے چار ماہ قبل والد فوت ہوئے۔ دو سال عمر تھی کہ دادا بھی انتقال کر گئے۔ چھ سال کے ہوئے تو نانا چل دیے۔ دو ماموں کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے، جام پور کے مڈل سکول میں طالبعلم تھے ایک نو مسلم عالم مولوی عبید اللہ ملیر کوٹلوی (م:۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء) کی کتاب ''تحفۃ الہند'' ملی۔ خود فرماتے ہیں:

> ''میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑی پابندی سے کیا۔ یہاں تک کہ میں اس کو اچھی طرح سمجھ گیا، بلکہ اسے حفظ کر لیا۔ اس کتاب کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے عقائد اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔''

تین سال تک خفیہ نماز، روزہ اور شریعت کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے، اسی دوران تقویۃ الایمان پڑھی، اس سے عقائد اسلام اور پختہ ہو گئے۔ آپ 1887ء میں اظہارِ اسلام کے لیے اپنے وطن سے نکلے، کوٹلہ رحم علی شاہ ضلع مظفر گڑھ پہنچے جہاں اسی سال آپ کی سنتِ تطہیر ادا ہوئی۔ آپ کے رشتہ دار آپ کا تعاقب کرنے لگے تو سندھ میں جا کر اسلام کا اعلان کر دیا۔ ''تحفۃ الہند'' کے مصنف کے نام پر آپ اپنا نام پہلے ہی عبید اللہ رکھ چکے تھے۔ 1888ء میں حضرت حافظ محمد صدیقؒ بھر چونڈی شریف والوں کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت سید احمد شہیدؒ

اور حضرت شاہ اسماعیل شہید بالاکوٹ جاتے ہوئے پیر جو گوٹھ (سندھ) میں پیر صبغت اللہ راشدیؒ کے پاس قیام فرما ہوئے تھے، حضرت حافظ صاحب مذکور کو یہ سعادت حاصل تھی کہ وہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی صحبت اور رفاقت حاصل کر چکے تھے۔ حافظ محمد صدیقؒ کے پاس حضرت سندھیؒ کا قیام دو ماہ رہا۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے توجہ باطنی ڈالی اور دعا دی:

''خدا کرے عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑ جائے''

اسی دعا کا اثر تھا کہ اللہ نے اس نومسلم نوجوان عبید اللہ کو حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ حضرت سندھیؒ پہلے بھرچونڈی شریف سے اپنے شیخ کی دعائیں سمیٹ کر دین پور تحصیل خان پور ضلع رحیم یار خان پہنچے اور حضرت حافظ محمد صدیقؒ کے خلیفہ حضرت غلام محمد صاحبؒ کے پاس چھ ماہ گزارے۔ ہدایۃ النحو تک کی کتابیں یہیں پر حضرت مولانا عبدالقادرؒ صاحب سے پڑھیں۔ خلیفہؒ صاحب نے ان کی والدہ کو خط لکھوایا وہ آئیں اور بڑا زور لگایا مگر حضرت سندھیؒ والدہ کے ساتھ نہیں گئے۔ دین پور سے ایک بار پھر کوٹلہ رحم علی شاہ مظفر گڑھ پہنچے اور مولانا خدا بخشؒ صاحب سے نحو کی کتاب کافیہ پڑھی۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا داخلہ 1888ء میں ہوا۔ پانچ چھ ماہ میں قطبی تک منطق اور فلسفہ کے رسائل مختلف اساتذہ سے پڑھے۔ اس تعلیمی سال کا بقیہ عرصہ مولانا احمد حسنؒ سے کان پور جا کر پڑھا۔ یہ مولانا احمد حسنؒ حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے۔

1889ء میں دیوبند واپس تشریف لائے۔ ابتدائی تین ماہ حضرت مولانا محمد احمدؒ (مہتمم دارالعلوم) سے اصول فقہ، علم الکلام کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ فقہ اور اصول فقہ کی باقی کتابیں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ سے پڑھیں۔ 1890ء میں دارالعلوم دیوبند کے سالانہ امتحان میں شریک ہوئے اور کلاس میں اول آئے۔ مولانا سید احمد دہلویؒ مدرس اول نے حضرت سندھیؒ کے جوابات کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ:

''اگر اس کو کتابیں ملیں، تو یہ شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا''

1890ء میں حضرت سندھیؒ نے اپنی پہلی تحریر قلم بند کی۔ حضرتؒ نے اس تحریر کا عنوان ''مراصد الوصول الی مقاصد الاصول'' رکھا۔ حضرت نے یہ تحریر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے اس کو پسند فرمایا۔ 1890ء میں دارالعلوم دیوبند میں بیضاوی اور دورۂ حدیث کی تمام کتب پڑھیں۔ ترمذی شریف حضرت شیخ الہندؒ سے اور ابو داؤد گنگوہ جا کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھی۔ اس دوران آپ نے حجۃ

الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمام کتب کا مطالعہ کیا اور حضرت شیخ الہندؒ سے انہیں سمجھا۔ 1891ء میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے درس وتدریس کا اجازت نامہ تحریر کرکے دیا۔ اسی سال آپؒ سندھ واپس تشریف لائے۔ بھرچونڈی شریف آپؒ کے پہنچنے سے دس روز قبل آپ کے پیرومرشد حضرت حافظ محمد صدیقؒ انتقال فرما چکے تھے۔ پیر خانے میں اپنے اس قیام کے دوران آپ نے مولوی کمال الدینؒ سے بھی سنن ابی داؤد پڑھی۔ پھر آپ امروٹ شریف ضلع شکارپور تشریف لے گئے، چھ سال اپنے مرشد کے خلیفہ حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ سے کسب فیض کے ساتھ ساتھ تعلیم وتعلم کا سلسلہ چلایا اور تصنیف وتالیف کا کام کیا۔ حضرت امروٹیؒ کی سندھی ترجمہ قرآن میں معاونت بھی کی۔ حضرت سندھیؒ کو حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ اور حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ سے خلافت عطا ہوئی۔ بعد ازاں حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اپنے سلسلے میں اجازت عطا کی۔ 1897ء میں دوبارہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں دیوبند پہنچے، حضرتؒ نے مولانا سندھی کو سیاسی کام کرنے اور دیوبند طرز کا ایک مدرسہ سندھ میں قائم کرنے کا حکم دیا۔ اسی حکم کی تعمیل میں حیدرآباد کے قریب پیر جھنڈا میں ''دارالرشاد'' کے نام سے حضرت سندھیؒ نے 1901ء میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مرکز تعلیم وتعلم اور سیاست میں حضرت سندھیؒ کے اُستاد، مربی اور مرشد حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ خود بھی تشریف لے گئے۔ بعد ازاں حضرت شیخ الہندؒ ہی کے حکم پر 1909ء میں حضرت سندھیؒ دارالعلوم دیوبند منتقل ہوئے اور ''جمعیۃ الانصار'' قائم کی۔ یہ جمعیۃ قیام دارالعلوم کے ابتدائی چالیس سال میں فارغ التحصیل ہونے والوں کی پہلی اجتماعیت تھی۔ گویا حضرت سندھیؒ پر حضرت شیخ الہندؒ کے اعتماد اور بھروسہ کا پہلا مظہر جمعیۃ الانصار ہی تھی۔ پھر ایک عبقری دماغ استاذ کا نومسلم شاگرد پر اعتماد کا ایک ایسا سلسلہ بنا کہ اس کے بعد تحریک شیخ الہند کا ہر بڑا اور مشکل مرحلہ حضرت سندھیؒ کے سپرد ہوا جمعیۃ الانصار کی ذمہ داریوں کا دیوبند رہ کر سرانجام دینے کا یہ مرحلہ چار سال پر محیط تھا۔ 1913ء میں حضرت شیخ الہندؒ ہی کے حکم سے حضرت سندھیؒ کا تبادلہ دہلی میں ہوا۔ مسجد فتح پوری چاندنی چوک دہلی کے شمالی دروازے کی طرف دومنزلہ عمارت کرائے پر لی گئی اور ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کے نام سے ادارہ قائم کیا گیا۔ یہ محض جگہ اور نام کی تبدیلی نہ تھی، بلکہ انقلابی سیاسی جدوجہد کی نئی سمت ایک پیش رفت تھی۔ نظارۃ المعارف القرآنیہ کے سرپرست حضرت شیخ الہندؒ، حکیم اجمل خانؒ اور نواب وقار الملکؒ تھے۔ یہ روایتی ترتیب سے مختلف تعلیم وتعلم کا نظم تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی منشا یہ تھی کہ حضرت سندھیؒ دہلی میں رہ کر سیاسی اور انقلابی تحریکلے لیے اپنا اثر بڑھائیں۔ دیوبند سے مختلف طرز پر دینی، سیاسی اور جہادی کام کے لیے رجال کار تیار کریں۔ مدارس کے فارغ التحصیل علماء اور جدید تعلیم

یافتہ طبقے سے منتخب نوجوانوں کو یکجا رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کی جائے۔ گویا یہ ''مسٹر اور مُلّا'' میں پیدا ہوتی ہوئی خلیج کو پاٹنے کی پہلی شعوری اور عملی کاوش تھی۔ مولوی فارغ التحصیل اور گریجویٹ دونوں قسم کے طلبہ کو قرآن شریف اور حجۃ اللہ البالغہ کی تعلیم دی جاتی تھی، ہر طالبعلم کو پچاس روپے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔ گریجویٹ قدرے زیادہ تھے، ابتداء میں ان کا طرز معاشرت انگریزی طرز کا ہوا کرتا تھا، سگریٹ پیتے تھے، داڑھیاں منڈاتے تھے، سوٹ بوٹ میں نظر آتے تھے، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ چند دن کے بعد ان کا مغربی طرز معاشرت بدل جاتا تھا۔ مولانا صاحب انہیں مغربی تہذیب کو ترک کرنے کا اشارہ تک نہ کرتے تھے۔ برصغیر کی قدآور شخصیت وقار الملک نواب مشتاق حسین (یہ نواب صاحب وہ ہیں جن کے گھر میں 1906ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی تھی) نظارۃ المعارف کے تعارف میں فرماتے ہیں:

> ''عربی دان کالج کے گریجویٹوں کو ایک سال میں پورا قرآن شریف اور حدیث شریف کے نہایت صحیح انتخاب کی اعلیٰ حکیمانہ شرح حجۃ اللہ البالغہ پڑھائی جائے گی۔ اس کے ساتھ انہیں ام الصحاح مؤطا امام مالک مع شرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پڑھائی جائے گی۔ صحیح مسلم اور جامع ترمذی کے اس قدر حصص بھی پڑھائی جائیں گی، جس سے طلبہ ان کتابوں سے واقف ہوجائیں۔ اس تعلیم میں گریجویٹوں کے ساتھ عربی مدارس کے فارغ التحصیل مولوی بھی شریک رہیں گے تاکہ اہل علم حضرات کا ایک حصہ اس نصاب سے آشنا ہوجائے اور جس قدر دینی خدمات محض علماء بجالاسکتے ہیں ان کے سوا انجام دینے کے لیے ایک جماعت تیار ہوجائے جو جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے ساتھ مل کر کام کرسکے۔ جو گریجویٹ عربی نہیں جانتے، ان کے لیے عربی ادب پڑھانے کا ایسا انتظا ہوگا جس سے وہ تقریباً چھ ماہ میں اس جماعت میں شریک ہونے کے قابل ہوجائیں۔ مولویوں کو جس قدر انگریزی زبان دانی کی ضرورت ہے اس کا انتظام کیا جائے گا۔ دس طالب علموں کی ایک کلاس کھولی جاتی ہے، جس میں پانچ گریجویٹ اور پانچ مولوی ہوں گے۔ ہر ایک کو پچاس روپے ماہوار وظیفہ دیا جائے گا۔''

حضرت شیخ الہندؒ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے مدرسہ دیوبند محض تعلیم و تعلم کے لیے نہیں بنایا تھا بلکہ 1857ء کے معرکہ میں ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے کہ 1857ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنے استاد کے

بتائے ہوئے نصب العین کی طرف مسلسل پیش قدمی کررہے تھے۔ جمعیۃ الانصار، نظارۃ المعارف القرآنیہ دیوبند کی محنت اورافرادی قوت کے اجتماع واضافہ کے عنوانات تھے۔

نومبر 1914ء میں جنگ عظیم اول کا آغاز ہوا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے موقع غنیمت جانا کہ غاصب برطانوی اس میں اُلجھ چکے ہیں، اب تحریک دیوبند کواس کے بانی کی منصوبہ بندی کے مطابق اقدامی مرحلے میں اترنا چاہیے۔ خود حضرت شیخ الہندؒ نظارۃ المعارف کے قیام اور بعد کے عرصے میں روابط کار بڑھا چکے تھے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ کو بھی ذہناً تیار کر چکے تھے۔ اس منصوبہ بندی کے تحت حضرتؒ کے مضبوط رابطہ کار چارسدہ کے علاقے ترنگ زئی میں حاجی صاحبؒ، اتمان زئی میں خان عبدالغفار خانؒ، قندھار میں مولانا سیف الرحمنؒ، پڑنگ آباد قلات بلوچستان میں مولانا محمد عمرؒ کی صورت میں موجود تھے۔ حضرت شیخ الہند نے 1915ء کے آغاز میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل جانے کا حکم دیا۔ حضرتؒ سندھ سے ہوکر چار ماہ بعد کابل پہنچتے ہیں، کابل پہنچ کر حضرت سندھیؒ نے کیا دیکھا، خود بیان فرماتے ہیں:

''کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ جس جماعت کے نمائندہ تھے، اس کی پچاس برس کی محنت کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیلِ حکم کے لیے تیار ہے۔ اس کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہندؒ کی اشد ضرورت تھی۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہندؒ کے انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا''

حضرت سندھیؒ 1916ء میں کابل میں عبوری حکومت ہند (جلاوطن) قائم کرتے ہیں۔ اس کے سربراہ راجہ مہندر پرتاپ، وزیر اعظم مولوی برکت اللہ اور وزیر داخلہ مولانا عبیداللہ سندھی تھے۔ مولوی محمد علی قصوری وزیر خارجہ اور ملا بشیر وزیر دفاع تھے۔ تحریک شیخ الہندؒ (تحریک ریشمی رومال) کا ہیڈ کوارٹر کابل میں تھا۔ راجہ مہندر پرتاپ برلن (جرمنی) مشن کے ذریعے اقدامی مرحلے میں برطانیہ کے خلاف جرمن تعاون وامداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ مولانا سندھیؒ اور ان کے رفقاء یاغستان میں صف آراء اپنے مجاہدین کی پشت پناہی کیے لیے افغان حکمران امیر امان اللہ کے ساتھ معاملات بھی طے کر چکے تھے۔ (یاغستان حویلیاں ہزارہ سے نوشہرہ کی طرف اور آگے چارسدہ سے مہمند ایجنسی تک، دوسری طرف خیبر ایجنسی، درہ آدم خیل، شمالی اور جنوبی وزیرستان پر پھیلا ہوا باغیوں کا خطہ تھا۔) مولانا محمد میاں انصاری ''غالب نامہ'' (ترک کمانڈروں کی تحریر) لے کر افغانستان پہنچتے ہیں، اس تحریر میں مجاہدوں کو حکم دیا گیا تھا کہ ۱۹ رفروری ۱۹۱۷ء کی تاریخ میں مندرجہ ذیل پروگرام پر عمل

کریں۔ یہ حکم ایک زعفرانی رنگ کے ریشمی رومال پر تھا:

(۱) قلات اور مکران کے قبائل ترکی فوجوں کی قیادت میں کراچی پر حملہ آور ہوں۔

(۲) غزنی اور قندھار کے قبائل ترک فوج کی مدد سے کوئٹہ پر یلغار بول دیں۔

(۳) پشاور کے محاذ پر درہ خیبر کے مہمند اور آفریدی شنواری قبائل حملہ آور ہوں۔

(۴) اوگی کے محاذ پر کوہستانی قبائل کی مدد سے حملہ کیا جائے۔

(۵) اس تاریخ کو ہندوستان میں آزادی کا پرچم لہرایا جائے۔

(خدام الدین حضرت لاہوریؒ نمبر، ص: ۳۰۲)

حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان سے حجاز پہنچ کر ترک عثمانی منصب داروں سے ترکی کی حمایت وتعاون حاصل کر چکے تھے کہ شریف مکہ کی غداری اور قوم فروشی کی وجہ سے گرفتار کرے گئے۔ اُدھر مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے خطوط جو ریشمی کپڑے پر کندہ کیے گئے تھے، ہم وطنوں کی بے وفائی سے ملتان میں انگریزوں کے ہاتھ لگ گئے۔ برصغیر میں رولٹ کمیشن آیا، رولٹ ایکٹ (مارشل لاء) آیا، جنگ عظیم اول کا خاتمہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی نمایاں کامیابی سے ہوا۔ سلطنت عثمانیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ افغانستان میں انگریز مخالف حکومت نے انگریزوں سے معاہدہ کرکے پالیسی بدلی۔ یوں 1922ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کابل چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ وہ ترکی جانے کے لیے براستہ روس روانہ ہوئے۔ روس میں حضرت سندھی کا قیام سات ماہ رہا۔ صلیبی زارشاہی کے حامل روس کی جگہ بالشویکیوں کا روس معرض وجود میں آچکا تھا۔ اہل روس نے دوران جنگ عظیم اول قدیم بادشاہت سے بذریعہ انقلاب نجات حاصل کرلی تھی۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ جدوجہد کامیاب ہوجائے تو انقلاب، ناکام ہوجائے تو بغاوت قرار پاتی ہے۔ یہی کچھ تحریک ریشمی رومال کے ساتھ ہوا۔ پچاس سال کی افرادسازی، اقدامی مرحلے میں دشمنوں کے دشمنوں سے تعاون وامداد کے حصول کے باوجود انگریزوں سے برصغیر کو کامل آزادی دلانے کی یہ تحریک ناکام ہوگئی اور بغاوت کہلائی۔ کم وبیش اسی اثناء میں اسی طرز کی کامیاب کوششوں کے نتیجے میں روس میں بالشویک انقلاب آ گیا۔

حضرت سندھیؒ انقلاب کے بعد روس پہنچے۔ روسی انقلابیوں کے لیے آپ کی ذات تعارف کی محتاج نہ تھی آپؒ کابل میں سات سال قیام کے دوران خاصی شہرت پا چکے تھے۔ مزید یہ کہ کابل ہی میں حضرت سندھیؒ انڈین نیشنل کانگریس کی شاخ کھول چکے تھے اور اس کے صدر تھے۔ روسی انقلابیوں نے انہیں سرحدی شہر ہی سے اپنا مہمان

بنایا اور بعض سفری سہولتوں کا بندوبست کیا۔ حضرت کا ماسکو میں قیام سات ماہ رہا اس دوران کیا مصروفیات رہیں؟ ''سیاست روس'' کے عنوان سے اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:

''ماسکو میں سوشلزم کا مطالعہ اپنے نوجوان رفیقوں کی مدد سے کرتا رہا، چونکہ نیشنل کانگریس سے تعلق سرکاری طور پر ثابت ہو چکا تھا، اس لیے سوویٹ روس نے اپنا معزز مہمان بنایا اور مطالعے کے لیے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ یہ غلط ہے کہ میں لینن سے ملا۔ کامریڈ لینن اس وقت ایسا بیمار تھا کہ اپنے قریبی دوستوں کو بھی نہ پہچان سکتا تھا۔''

ماسکو قیام کے دوران حضرت سندھیؒ کی چار ملاقاتیں روسی وزیر خارجہ چیچرن سے ہوئیں۔ ان ملاقاتوں میں اس عہد کے عالمی حالات وواقعات، برصغیر کی تحریک آزادی میں ممکنہ روسی معاونت کے طریقے اور اس کے اثرات ونتائج پر بات چیت ہوئی۔ سب سے اہم بات یہ کہ کمیونسٹ راہنما کارل مارکس کے مذہب کے بارے میں خیالات، ذاتی ملکیت پر اعتراضات، غریب اور نادار طبقات پر مال داروں کی دست درازی جیسے موضوعات پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تعلیمات کی روشنی میں حضرت سندھیؒ کو خود دینی نقطہ نظر کو نئے حالات کے مطابق سمجھنے اور بیان کرنے کا موقع ملا۔ اس حوالے سے اپنی ذاتی ڈائری ''کابل میں سات سال'' میں حضرت سندھی تحریر فرماتے ہیں:

''۱۹۲۳ء میں ترکی جاتا ہوا، ماسکو میں......سوشلزم کا مطالعہ اپنے نوجوان رفیقوں کی مدد سے کرتا رہا۔ میرے اس مطالعے کا نتیجہ ہے کہ میں اپنی مذہبی تحریک کو جو امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی شاخ ہے، اس زمانے کے لادینی حملے سے محفوظ کرنے کی تدابیر سوچنے میں کامیاب ہوا''

موسیٰ جاراللہ ایک بڑے جید روسی عالم اور خدا پرست سیاسی راہنما تھے، جن کی قدرومنزلت نہ صرف روسی مسلمانوں میں بہت زیادہ تھی بلکہ سارا عالم اسلام ان کو جانتا تھا۔ علامہ موسیٰ جاراللہؒ لکھتے ہیں:

''میں امام سندھی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے پہلی مرتبہ ان کو اس وقت دیکھا جب وہ ماسکو میں تشریف لائے اور بالشویکوں کا لیڈر لینن زندہ تھا۔ حکومت کے آدمیوں نے ان کا پرزور خیر مقدم کیا تھا حکومت بالشویک امام سندھیؒ کا بڑا احترام کرتی تھی اور امام کے افکار سے مستفید ومستنیر ہوتی تھی، وہ ان کے افکار عالیہ اور ارشادات کو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرتی تھی۔ میرے پاس ان کی فارسی کا بیان بجنسہ موجود ہیں۔ میں ماسکو میں

استقبال کی غرض سے پہنچا تا کہ آپ کی زیارت کروں اور آپ سے فائدہ اٹھاؤں، چنانچہ کئی دنوں تک میں آپ کی صحبت میں رہا۔ آپؒ اکثر میرے غریب خانے پر صبح و شام تشریف لاتے تھے، پھر میں نے آپ کو "لینن گراڈ" (سینٹ پیٹر برگ) آنے کی دعوت دی۔ میں نے وہاں آپ کا پرزور استقبال کیا اور حکومت نے بھی آپ کا پرزور استقبال کیا، لیکن قیام کے لیے امام سندھیؒ نے دوسروں پر مجھے ترجیح دی اور میرے غریب خانے پر قیام فرمایا، مجھے یہ شرف بخشا۔ آپؒ رمضان شریف میں تقریباً دو ہفتے میرے مکان پر قیام فرما ہوئے، اس اثناء میں نہ تو انہوں نے، نہ ان کے اصحاب اور شاگردوں میں سے کسی نے عذر سفر کر کے روزہ چھوڑا۔ میری گھر والی مہمانوں کے لیے خود کھانا اور چائے تیار کرتی تھیں، افطار کے وقت امام سندھیؒ دستر خوان پر تشریف لاتے تو بڑا وسیع دستر خوان بچھتا۔ دستر خوان کے اردگرد آپ کے اصحاب اور شاگردوں کا ہجوم ہوتا۔ بعض اوقات روس کے بڑے بڑے علماء آپؒ سے مستفید ہونے کے لیے آتے اور آپؒ کی زیارت وصحبت سے مشرف ہوتے۔ امام سندھیؒ اور ان کے شاگرد مرکز بالشویزم میں جو کچھ دیکھنا چاہتے، بڑی توجہ سے دیکھتے۔ بہت سی ایسی چیزیں آپ نے دیکھیں جو دوسروں کو بہت کم دیکھنا نصیب ہوئیں۔ اس مدت میں، میں آپ سے جدا نہیں ہوتا تھا، سوائے استراحت کے وقت یا اس وقت کے جب وہ اپنے اصحاب اور شاگردوں کے ساتھ ہوتے۔

میں نے امام کو اچھی طرح سمجھا اور ایسا سمجھا جیسا سمجھنے کا حق تھا۔ میں نے آپ کو ایک پکا حنفی اور حنفی مخلص پایا۔ آپ کی عبادت میں ریا نہ تھی، نہ آپ کے کلام اور سیرت میں ریا تھی۔ میں نے آپ کو اپنے علم میں مجتہد، مجاہد صادق اور اپنے اعمال میں سچا پایا۔ آپ بڑی بڑی امیدیں رکھتے تھے، آپ کا ایمان و یقین بہت قوی اور مضبوط تھا۔ اپنے طریقہ کی کامیابی پر انہیں قوی امید تھی اور اس بارے میں فوز و فلاح کی امیدیں رکھتے تھے۔"

روس سے 1923 میں روانہ ہو کر حضرت سندھیؒ انقرہ وترکی پہنچے۔ ان دنوں استنبول (قسطنطیہ) پر صلیبی قابض تھے، حضرت کا چار ماہ قیام انقرہ میں ہوا۔ ترک افواج نے استنبول آزاد کروایا تو حضرت سندھی وہاں منتقل ہو گئے۔ استنبول میں حضرت کا قیام تین سال رہا۔

بالشویک روسی انقلاب کا عنوان ''مزدور کسان راج'' تھا۔ انقلابی قیادت نے تحریف شدہ عیسائیت کو ہی اصل مذہب کے درجے میں رکھ کر تحریفات کے ذریعے استحصالی رویوں کی حامل عیسائیت کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ اسلام جیسے محفوظ دینی عقائد و تصورات سمیت تمام مذاہب کا یکسر انکار کر دیا تھا۔ روس سے باہر یورپی ممالک میں بھی بالشویکی اثرات پہنچ رہے تھے۔ پورا یورپ اس امر پر متفق تھا کہ ریاست اور مذہب کو الگ الگ خانوں میں رکھا جائے، مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دیا جائے اور ریاست کے اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ عوام ہوں۔ یعنی نظام ریاست و حکومت سائنسی بنیادوں پر استوار کیا جائے یعنی الٰہیات کو ذاتی معاملہ تسلیم کیا جائے۔

بچا کھچا اور لٹا پٹا ترکی اپنی بہادر افواج کے کمانڈروں کے رحم و کرم پر تھا۔ جنگ عظیم میں ترکوں کی شکست اور سلطنت عثمانیہ کے بکھرنے میں عرب قوم پرستی کا حصہ نمایاں تھا، چنانچہ نئی ترک سیاسی قیادت پر بھی قوم پرستی غالب تھی۔ قوم پرستی کے اسی غلبے میں ترک قیادت کے سیاسی فیصلے عربوں کیخلاف شدید ردعمل کا مظہر تھے۔ ترکی کی تشکیل جدید میں یورپین افکار و نظریات کا غلبہ تھا۔ زاروں کی قدیم سلطنت ''صلیبی روس'' بالشویک انقلابیوں کے ہاتھوں کس حال میں تھی، اس کا گہرا مطالعہ اور مشاہدہ حضرت سندھیؒ قیام روس کے دوران کر چکے تھے۔ استنبول میں وہ عظیم عثمانی سلطنت کے کھنڈرات پر نیا ترکی بنتا ہوا دیکھ رہے تھے، استنبول (ترکی) ہی سے حضرت سندھیؒ نے متحدہ برصغیر کے مستقبل کے سیاسی اور معاشی امور کو حل کرنے کے لیے آزاد برصغیر کا پہلا دستوری خاکہ جاری کیا۔ اس کے اجراء کی تاریخ 15 ستمبر 1924ء ہے (سائمن کمیشن نومبر 1927ء اور موتی لال نہرو رپورٹ یکم جولائی 1928ء سے قبل) سائمن کمیشن ناکام ہوا، برصغیر کی قیادت نے نہرو رپورٹ کو قبول کیا۔ نہرو رپورٹ برصغیر کے منتخب اعلیٰ دماغوں کے مشترکہ غور و فکر کا حاصل تھی دیارِ غیر میں بیٹھ کر ایک عالی دماغ مولوی کا تیار کردہ دستوری خاکہ نہرو رپورٹ سے پانچ سال قبل منظر عام پر آیا اور یہ جامعیت کے اعتبار سے نہرو رپورٹ پر واضح سبقت لیے ہوئے تھا۔

حضرت سندھیؒ نے دھرتی سے وابستگی کے معاملات و مسائل یعنی ''مسئلہ قومیت'' کو فراموش کیا اور نہ ہی یورپین طرز پر مسئلہ قومیت کو اس طرح حل کیا کہ وہ دینی اور تاریخی روایت سے کٹا ہوا ہو۔ حضرت برصغیر کی آزادی کے لیے یہاں کی تمام اقوام کی مشترکہ جدوجہد پر یقین رکھتے تھے، مگر ان کے نزدیک آزادی کی مشترکہ جدوجہد کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مسلمان اپنے امتیازی ملی خصائص کو ترک کر دیں۔ البتہ حضرت سندھیؒ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ایک فعال اور ممتاز عنصر بن کر رہیں اور دیگر ہم وطنوں کے ساتھ مخالفت اور جنگجویانہ طرز عمل سے مکمل اجتناب کریں۔

حضرت سندھیؒ کا مجوزہ دستوری خاکہ پورے برصغیر کے لیے تھا۔ گویا اس عظیم اور بڑے خطے، جس پر آج

سات ممالک (پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش، سری لنکا، نیپال، بھوٹان اور مالدیپ) قائم ہیں، کی انسانیت اور وسائل کو باہمی لڑائیوں سے برباد کرنے کی سامراجی منصوبہ بندی کا پیشگی تدارک تھا۔ حضرت سندھیؒ یورپین طرز کی قوم پرستی کو ہرگز اختیار نہیں فرماتے، بلکہ تعلیم، کلچر، تہذیب اور ملی خصائص سے ہم آہنگ ایک اپنا تصورِ قومیت پیش کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ کرہ ارض پر تیزی سے ابھرتی ہوئی چھوٹی چھوٹی قومی ریاستوں کو جنود ربانیہ کے ایک عالمی نظم کا حصہ بنا کر کروڑوں مسلمانوں کی یکجائیگی کی شفاف راہ دیکھاتے ہیں۔ حضرت سندھیؒ کا فلسفہ قومیت، نظریہ امت کے ہرگز خلاف نہیں، بلکہ حضرت سندھیؒ کے منصوبوں میں جنود ربانیہ کے عنوان کے تحت قومیت اور امت ہم آہنگ ہیں۔

(عہدِ نبویؐ میں افواج کی تیاری اور لشکروں کی ترتیب میں قبائل کی قومی حیثیت کو برقرار رکھ کر انہیں منظم کیا جاتا تھا تاکہ ایک دوسرے سے مسابقت کا جذبہ پیدا ہو۔ اگر کبھی مسابقت کے جذبات قبائل کی مفاخرت کے رنگ میں تبدیل ہوتے تو آنحضرت ﷺ اس کی موقع پر ہی اصلاح فرمادیتے تھے۔ حضرت سندھیؒ کا تصورِ قومیت تعلیماتِ نبویؐ کے اسی زاویہ سے سمجھا جانا چاہیے۔)

ہمارا یہ عہد علاقائی اتحادوں کی تشکیل کا عہد بن چکا ہے۔ یورپ کے اٹھائیس ممالک یورپی یونین تشکیل دے چکے ہیں۔ بحیرہ خزر (Caspion Sea) کے ممالک کی اپنی تنظیم ہے۔ بھارت، روس، چین، برازیل اور جنوبی افریقہ باہمی تعاون اور اقتصادی معاملات کے لیے برکس نامی پلیٹ فارم تشکیل دے چکے ہیں۔

حضرت مولانا سندھیؒ نے آج (۲۰۱۶ء) سے 92 سال قبل 1924ء میں ایشیاٹیک فیڈریشن کا عنوان متعارف کروایا۔ ایشیاٹیک فیڈریشن میں حضرت سندھیؒ متحدہ برصغیر کے ساتھ افغانستان، ایران اور چین کو اکٹھا رہنے کی بات کرتے ہیں اور فرماتے ہیں بعدازاں اس میں روس کو بھی شامل کرلیا جائے۔ موجودہ جیوپولیٹکل منظر نامہ میں ایشاٹیک فیڈریشن میں وسطی ایشیائی ممالک بھی آتے ہیں۔ کیونکہ حضرت سندھیؒ نے جب یہ منصوبہ متعارف کروایا تو وسطی ایشیائی خطہ روس، چین، ایران اور افغانستان میں بٹا ہوا تھا اور اپنے اس طرح کے الگ تشخص کا حامل نہیں تھا جیسا کہ آج ہے۔ گویا 92 سال پہلے حضرت سندھیؒ ہمارے عہد کے ایک درجن سے زائد ممالک کو ایشیاٹک فیڈریشن میں سمونا چاہتے تھے۔ ترکی میں تین سال قیام کے بعد جون 1926ء میں حضرت سندھیؒ اٹلی اور سوئٹزرلینڈ تشریف لے گئے۔ استنبول قیام کے دوران حضرتؒ مشاہدہ کر چکے تھے کہ ترک قوم پرست اور فوجی قیادت نئے ترکی میں نظامِ عدل وانصاف کے لیے انہی دو ممالک کے نظاموں سے استفادہ کررہی ہے۔ مزید یہ کہ تبدیل ہوتی ہوئی اقتصادی دنیا میں سوئٹزرلینڈ کا نظامِ معیشت خاص ہیئت رکھتا ہے۔ شاید حضرتؒ نے اس

کا مطالعہ ضروری سمجھا ہو، ویسے بھی حضرت کا ترکی سے براہ راست مکہ مکرمہ آنا، خطرے سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ ان دو ممالک سے ہوتے ہوئے اگست 1926ء میں مکۃ المکرمہ پہنچے اور وطن واپسی تک 13 سال وہیں قیام کیا۔ خطبات و مقالات صفحہ نمبر 228 پر حضرتؒ کے قیام مکہ کے احوال خود حضرت ہی کی زبانی درج ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''میں تقریباً تیرہ چودہ سال سے قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا بنظر عمیق مطالعہ کرتا رہا۔ تفسیر قرآن میں جس قدر مقامات میرے لیے مشکل تھے، حرم کے قیام کے زمانے میں میں نے انہیں امام ولی اللہ دہلویؒ کے اصول پر بالاطمینان حل کرلیا۔ مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس موجودہ زمانے میں قابل عمل تعلیم کا ایک اعلیٰ نصاب نظر آیا۔ اس میں اس تجلی ریز مقدس مقام کی تاثیر ضرور ماننا پڑتی ہے۔ میں نے امام ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا، مثلاً بدور بازغہ، خیر کثیر، تفہیمات الٰہیہ، سطعات، لمحات، الطاف القدس وغیرہ ان کتابوں کے لیے بطور مفتاح (کنجی) میں نے مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی تکمیل الاذہان اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی عبقات اور مولانا محمد قاسمؒ کی ''قاسم العلوم'' تقریر دلپذیر اور آب حیات کو استعمال کیا۔ مجھے ان کتابوں کے پڑھانے کا بھی موقع ملتا رہا اور ساتھ ہی مدرسہ قرآن عظیم بھی جاری رہا۔ اس سے میرے نظریات بہت وسیع ہو گئے۔ الحمد للہ۔''

حضرت سندھیؒ کے پاس مکہ مکرمہ میں دنیا کے مختلف گوشوں سے نامور شخصیات برابر پہنچتی رہیں۔ اسی طرح دنیا بھر سے آنے والے سینکڑوں تشنگان علم نے حضرت سے استفادہ کیا۔ انہی میں ایک نام پروفیسر محمد سرور مرحوم کا ہے۔ پروفیسر صاحب جامعہ ملیہ دہلی میں استاد تھے، انہیں ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم (جو بعد میں ہندوستان کے صدر بنے) نے بطور خاص بھیجا تھا کہ وہ مولانا سندھیؒ کے تلخ و شیریں تجربات، ملک ملک کے مشاہدات و مطالعہ کو ضبط تحریر میں لائیں اور آنے والی نسلوں کے لیے ان کو محفوظ کریں۔ پروفیسر مرحوم رئیس جامعہ ملیہ (ڈاکٹر ذاکر حسین) کے تفویض کردہ کام میں تاحیات مشغول رہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی وطن واپسی کے لیے کوششوں کا آغاز 1936ء میں ہوا۔ تقریباً دو سال بعد نومبر 1938ء میں اجازت ملی۔ جنوری 1939ء میں پاسپورٹ جاری ہوا۔ آپؒ حج بیت اللہ کی ادائیگی کے بعد 7 مارچ 1939ء کو کراچی کی بندرگاہ پر اترے۔ وطن واپسی کے بعد جمعیۃ علماء بنگال کے اجتماع منعقدہ کلکتہ میں

صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ برصغیر کی تمام حریت پسند جماعتوں نے تہنیتی اجتماعات منعقد کئے۔ 1940ء میں حضرت سندھیؒ نے ماہنامہ ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ ؒ نمبر کے لیے مقالہ املا کروایا۔ اس مقالے کو پڑھ کر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مدیر الفرقان کو لکھا:

''مولانا سندھیؒ کے مضمون کو میں نے بغور پڑھا، اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ بے شک مولانا کی نظر حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور نظریات پر نہایت وسیع اور عمیق ہے۔''

مدیر الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے لکھا:

''چند مقامات میں تعبیر کی غرابت اور نکارت اور ایک آدھ جگہ مولانا کی منفرد رائے سے قطع نظر یہ مقالہ شاہ صاحبؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف ہی نہیں، بلکہ فی الحقیقت آپؒ کے علمی کام سے واقفیت اور علی وجہ البصیرت واقفیت کے لیے اس میں کافی سامان ہے۔ اور ولی اللّٰہی علوم ومعارف کے لیے بجا طور پر اس مقالہ کو بنیادی لٹریچر قرار دیا جاسکتا ہے، نیز اس کے مطالعہ کے بعد ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ''ولی اللّٰہی حکمت'' پر مولانا سندھیؒ کی نظر کس قدر گہری ہے، شاہ صاحبؒ کے علوم وافکار کا انہوں نے کس قدر عمیق مطالعہ فرمایا ہے۔''

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ہمارے مروجہ ماحول میں ایک انتہائی قابل احترام شخصیت ہیں۔ جلاوطنی کے خاتمے کے بعد حضرت سندھیؒ کے ساتھ مولانا نعمانیؒ کا تعلق ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ نمبر کے مقالہ لکھوانے سے کہیں بڑھ کر تھا۔ لیجیے حضرت نعمانیؒ کی اس حوالہ سے ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں: ابتدائیہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوریؒ کا تحریر کردہ ہے:

شعبان ۱۳۶۰ میں مولانا سندھیؒ نے راندیر کے مدرسہ اشرفیہ کے جلسے میں شرکت فرمائی تھی۔ یہیں مولانا محمد منظور نعمانی ایڈیٹر الفرقان بریلی، سے ان کی ملاقات ہوئی اور تقریباً ایک عشرہ (دس دن) علاقہ سورت کا انہوں نے مولانا نعمانی کے ساتھ دورہ کیا۔ متعدد مقامات پر مدارس عربیہ میں تقریریں کیں اور علماء کرام سے ملاقاتیں کیں۔ بعدازاں وہ مولانا نعمانی کے ساتھ بریلی تشریف لے گئے اور تین چار دن تک مزید مولانا نعمانی سے یکجائی کا موقع میسر آیا اور مختلف اَفکار ومسائل پر گفتگوئیں ہوئیں۔ اسی دوران مولانا نعمانی نے حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف ''سطعات'' کے بعض مشکل مقامات کے حل میں مولانا سندھی سے استفادہ کیا۔ مولانا

نعمانی نے اس سفر میں حضرت سندھی کی صحبت کے لطف اور ان سے استفادے کا ذکر "الفرقان" کے رمضان ۱۳۱۰ھ کے شمارے میں کیا ہے۔ اس میں نہایت فکر انگیز اور ایمان پرور باتیں تحریر میں آئی ہیں۔ مولانا نعمانی لکھتے ہیں:

"حسن اتفاق سے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی بھی اسی مدرسہ اشرفیہ کے جلسے میں مدعو تھے اور مجھ سے ایک روز پہلے راندیر پہنچ چکے تھے۔ اس پوے سفر میں ممدوح کی صحبت نصیب رہی۔ اس طرح قریباً ایک عشرہ شب وروز مولانا کے ساتھ رہنے اور استفادہ کرنے کا میرے لیے یہ پہلا موقع تھا۔ اس طویل صحبت ومعیت نے یہ یقین پھر تازہ کر دیا کہ خود مولانا کو اور ان کے مقاصد ونظریات کو سمجھنے کے لیے ممدوح کی طویل مصاحبت ضروری ہے، بالخصوص جس شخص کو دین میں سمجھ اور کام کرنے کی سوجھ بوجھ ہو اس (عالم) کے لیے تو خصوصیت سے مولانا کی صحبت اور ہوش مندی کے ساتھ استفادہ بہت بڑی چیز ہے۔ ان سفری صحبتوں میں مولانا سے بہت سی ایسی معلومات بھی حاصل ہوسکیں جن کا معلوم رہنا ہندوستان میں کچھ کام کرنے کا ارادہ رکھنے والے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ لیکن مولانا کے علاوہ شاید دو چار ہی حضرات کے علم میں وہ چیزیں ہوں گے۔ اس سفر کے بعد میری استدعا پر مولانا ممدوح تین چار روز کے لیے بریلی بھی تشریف لائے اور اس مختصر صحبت میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب "سطعات" کے کچھ حصے موصوف سے سبقاً سبقاً پڑھنے کا بھی موقع ملا جو مولانا سندھیؒ کی رہنمائی کے بغیر میرے لیے ناقابل حل تھے"

24 سال کی غریب الوطنی سے واپسی پر حضرت سندھیؒ کی عمر اڑسٹھ سال تھی۔ پردیس کی مشقتیں، اغیار کی چیرہ دستیاں، اپنوں کی پے در پے غداریاں اور ناکامیاں حضرت کو بالکل متاثر نہ کر سکیں، وہ شعوری مسلمان تھے، بچپن سے مطالعہ وتحقیق کی عادت تھی۔ قبولیت حق کے لیے جرأت بھی رکھتے تھے، غیر معمولی ذہین تھے۔ قبولیت اسلام سے تادم آخر سراپا علم وعمل رہے۔ بے مقصدیت، بے عملی یا انجماد ان کے افکار وشخصیت کے قریب بھی نہیں آ سکے، آ بھی کیسے سکتے تھے؟ حضرت تین خانقاہوں کے باقاعدہ تربیت یافتہ تھے، وقت کے سب سے بڑے مجاہد، سب سے بڑے معلم وشیخ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی مکمل سرپرستی کے حامل تھے۔ دارالعلوم دیوبند جیسی درسگاہ میں حصول تعلیم کے علاوہ پختہ عمر میں "جمعیۃ الانصار" کی سرگرمیوں کے لیے ٹھہرنے کا خوب موقع مل چکا تھا۔ درسی

کتب کے ساتھ ساتھ اساتذہ بلکہ کامل اساتذہ سے خارجی مطالعہ میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ حضرت نے جو حق نہیں تھا، بچپن میں اس کو ترک کیا تھا۔ والدہ بہنیں اور اعزہ کو ایک طرف کر دیا۔ مرشد و مربی کو بمنزلہ والد قبول کیا۔ اسی روحانی باپ کی دھرتی سے نسبت کا لاحقہ اپنے نام کا مستقل حصہ بنایا۔ مرشدوں، استادوں نے جو ذمہ داری سپرد کی، اس کو بھی پوری لگن سے سرانجام دیا۔ ملکوں، ملکوں کے نت نئے افکار و خیالات کو سنا، پڑھا اور سمجھا، مگر اپنی دھرتی سے دست بردار ہوئے، نہ اپنے مشائخ و اساتذہ کے علوم و افکار اور روایت سے ذرا برابر پیچھے ہٹے۔

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا تقسیم برصغیر کے بعد ہندوستان ٹھہرنا، بہت بڑا اور دوررس نتائج کا حامل جرأت مندانہ فیصلہ تھا۔ حضرت مدنیؒ کے پاس مدینہ شریف اور حجاز میں کہیں بھی منتقل کی سہولت موجود تھی۔ حضرت سندھیؒ کا پیرانہ سالی میں تجلی ریز مقامات مقدسہ (اماکن الراغب) سے وطن واپسی حضرت مدنیؒ کی مشاورت سے ہوئی تھی۔ اس طرح یہ فیصلے دین، ملک، قوم اور مجموعی انسانیت کی خدمت وراہنمائی کے لیے ہی تھے۔ حضرت مدنیؒ اور حضرت سندھیؒ کے مذکورہ بالا فیصلے اجتماعیت، عزیمت اور مجاہدے کے مثالی نمونے ہیں۔ ان میں ہمارے لیے سبق موجود ہے کہ مخلص قائدین وراہنما وہ ہیں جو دین، ملک وقوم اور مجموعی انسانیت کے لیے سوچتے اور جدوجہد کرتے ہیں، اسلام کو آفاقی نظریہ کے طور پر اپناتے ہیں اور اگلی نسلوں تک پہنچاتے ہیں اور اس کے لیے بڑی سے بڑی ذاتی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

وفات وتدفین: حضرت سندھیؒ دارالرشاد پیر جھنڈا سے اپنے نواسے میاں ظہر الحق دین پوری کے ہمراہ اشد بیماری کی حالت میں دین پور پہنچے اور دو روز بعد 21/اگست 1944ء کو انتقال فرما گئے۔ آپؒ کو حضرت خلیفہ غلام محمدؒ کے قریب دین پور میں سپرد خاک کیا گیا۔

✦✦✦✦✦✦

کتابیات

- مولانا عبیداللہ سندھیؒ حیات وخدمات
- سرگزشت حیات
- مولانا عبیداللہ انور شخصیت وجدوجہد
- مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم وافکار
- اسیر مالٹا حضرت شیخ الہندؒ
- مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور اُن کے ناقد

(ان کتابوں کے حصول کے لیے مکتبۃ الحسن، اُردو بازار، لاہور، 0333-6121612 , 0300-4339699)

حضرت سندھیؒ سے مولانا عبیداللہ انورؒ تک جمعیۃ علماءِ اسلام پاکستان

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے 1901ء میں اپنے اُستاذ و مربی حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر گوٹھ پیر جھنڈا (حیدرآباد) سندھ میں مدرسہ دارالرشاد قائم کیا جمعیۃ علماءِ اسلام کی نشاۃ ثانیہ 1956ء کے ملتان اِجلاس میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو امیر منتخب کیا گیا۔ حضرت سندھیؒ اور حضرت لاہوریؒ میں علاقائی، خاندانی پس منظر اور قبولیتِ اسلام کے اَحوال سے گہری مماثلت ہے، حضرت لاہوریؒ کے والد شیخ حبیب اللہؒ نے قبولِ اسلام کے بعد نذر مانی کہ اللہ اَولادِ نرینہ عطا کرے گا تو دین کے لیے وقف کر دوں گا۔ حضرت سندھیؒ سندھ سے آبائی وطن گئے تو شیخ حبیب اللہؒ نے اپنے بیٹے کو اِن کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت لاہوریؒ کی تعلیم و تربیت مدرسہ دارالرشاد میں حضرت سندھیؒ کی نگرانی میں ہوئی، کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے برادران عزیز احمد، محمد علی اور شبیر احمد بھی تعلیم و تربیت کے لیے دارالرشاد پہنچے۔ شیخ حبیب اللہؒ کے انتقال کے بعد حضرت سندھیؒ نے اِن کی بیوہ سے نکاح کیا یوں احمد علی اور برادان کی والدہ بھی اِن کے ہمراہ پہنچ گئیں، عزیز احمد اور محمد علی کابل میں حضرت کے ساتھ ساتھ رہے، ترکی وغیرہ میں عزیز اَحمد نے ساتھ نبھایا، محمد علی مرحوم نے باجوڑ میں نکاح کیا اور وہیں ٹھہر گے۔

حضرت لاہوریؒ نے اپنے بیٹے مولانا عبیداللہ اَنورؒ کو حضرت سندھیؒ کی واپسی کے بعد اِن کی خدمت پر مامور کیا۔ مولانا عبیداللہ انورؒ فاضلِ دیوبند تھے۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے، لاہور شہر کے سیاسی عوامی، سماجی اور نظریاتی حلقوں میں انتہائی قابل احترام شخصیت تھے، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے جمعیۃ علماء اسلام کو عوامی مقبولیت عطا کی حضرت لاہوریؒ اس کے امیر تھے مولانا عبیداللہ انورؒ کئی سال اس کے صوبائی امیر رہے۔ یوں ہمیں جمعیۃ علماءِ اسلام حضرت سندھیؒ کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔